ڈاکٹر محمد عبداللہ العربی

مملکت کا اسلامی تصوّر

ڈاکٹر محمد عبداللہ العربی قاہرہ کی اسلامی کانگریس میں قانونی اور اقتصادی امور کے مشیر ہیں۔ وہ بین الاسلامی مجلس مذاکرہ میں شرکت کے لئے لاہور آئے تھے اور مملکت کے اسلامی تصوّر پر اُنہوں نے جو مقالہ پڑھا تھا وہ درج ذیل ہے:

مملکت کا وجود مغربی سیاسی دستور کی رو سے تین عناصر مثلاً علاقہ، قوم اور حکومت سے ترتیب پاتا ہے۔ تینوں عناصر کا اتحاد ہی مملکت کے وجود کا ضامن ہے۔

یہ تو ہُوا مغربی نظریہ۔ کیا اسلام بھی ایسا ہی نظریہ رکھتا ہے؟ کیا وہ اُن کی طرح صرف مادی وجود کو ہی کافی سمجھتا ہے؟ اور کیا مملکت کی تنظیم اور اس کے ڈھانچے کے لئے اسلام جو الٰہی مذہب ہے مثبت نظریات پیش کرتا ہے؟

مغربی ریاستی نظریئے کی رو سے مذہب اور سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اس لئے مذہب کو مملکت کے امور میں دخل دینے کا حق نہیں کیونکہ یہ معاملات انسانی اختیار سے باہر نہیں اور وہ حالات کے مطابق جیسا مناسب سمجھتے ہیں ان کا انتظام کرتے ہیں۔ خدا کو اپنے کاموں سے غرض رکھنی چاہیئے اور بادشاہ کو اپنے کام سے کام ہونا چاہیئے۔ ملک بادشاہ کا ہے اور مذہب خدا کا۔ ملکی معاملات کا مختار بادشاہ ہے اور مذہبی معاملات میں خدا حاکم ہے۔ ہاں البتہ مذہب کے چند اخلاقی قوانین عوام سے مملکت کے قوانین منوانے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

چونکہ اسلام اس دنیا میں خدا کا آخری مذہب تھا، وہ انسانیت کی نشوونما اور ترقی کو بھانپ گیا تھا اس لئے اس نے چند ایسے بنیادی قوانین پیش کئے جو زندگی کے تمام امور پر خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، صرف حاوی ہی نہیں بلکہ کارآمد بھی ہیں۔ اسلام نے یہ آزادی عطا کی کہ ہر وہ قوم جو اسلام کے دامن میں پناہ لیتی ہے ان بنیادی اُصولوں پر اپنی مملکت کا ڈھانچہ تیار کر سکتی ہے اور زمانہ و حالات کے مطابق اس میں ترمیم اور وسعت پیدا کر سکتی ہے لیکن یہ لازمی ہے کہ اس عمل سے بنیادی اصولوں پر ضرب نہ پڑے اور اس کی حدود کو نہ توڑا جائے۔

اسلام نے ہمیشہ حقائق کو فراخ دلی سے تسلیم کیا اس لئے وہ مادی نظریۂ مملکت کے بارے میں مغربی سیاست دانوں سے اختلاف نہیں رکھتا۔ کیونکہ مملکت کے لئے بہرحال مادی عناصر ضروری ہیں لیکن وہ ان عناصر میں غیر مادی عنصر کا بھی اضافہ کرتا ہے۔ اور ایسے بنیادی اصول پیش کرتا ہے جو اخلاقی، معاشی اور سیاسی میدان میں انسانیت کی اقدار

کے حامل ہیں۔ دونوں نظریات میں فرق صرف اتنا ہے کہ مغربی مفکرین صرف مادی وجود کافی سمجھتے ہیں اور اسلام وسعت نظر اور دوررس نگاہ کی وجہ سے آگے بڑھ کر کئی بنیادی انسانی اقدار کو بھی شامل کر دیتا ہے۔

اب ہم اسلام کے ان بنیادی اصولوں کا جائزہ لیں گے جو مملکت کا غیر مادی ڈھانچہ تیار کرتے اور اس کے انتظامی امور کی جزئیات تک کو متاثر کرتے ہیں آخر میں ہم تین مادی عناصر میں سے قومیت کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر پیش کریں گے۔

بنیادی نظریات کا سہ طرفہ اتحاد یا اتحادِ ثلاثہ

اسلامی نظریۂ مملکت کی بنیاد اخلاقیات، معاشیات اور سیاسیات جیسے بنیادی اصولوں کے اتحادِ ثلاثہ پر قائم ہے اور ان اصولوں کو عملی شکل دینے کے لئے خدائی احکام کا رتبہ عطا کیا جاتا ہے۔ اور اس وقت تک اسلام کا مملکت کے بارے میں تصور کا سمجھنا بہت مشکل ہے جب تک کہ اتحادِ ثلاثہ کو احاطۂ فہم میں نہ لایا جائے کیونکہ یہ اصول ایسے ہیں جو عمل میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں اور اتحاد میں رکاوٹیں بھی پیدا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

جب تک اخلاقیات کو نہ اپنایا جائے، معاشی اصول ناکارہ ثابت ہوں گے کیونکہ اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہو گا کہ رشوت ستانی زوروں پر ہو گی اور حکومت کی انتظامی قوتیں اس کا شکار ہو جائیں گی۔ اور اگر اسلام کے معاشی اصولوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو سماجی ڈھانچہ کمزور ہو جائے گا اور نہ تو معاشی اصول اپنا مقصد حاصل کر سکیں گے، نہ اخلاقیات کا عمل دخل سماج میں باقی رہ جائے گا۔ دونوں کے اتحاد کے بغیر اصل مقاصد کی تکمیل ناممکن ہو جاتی ہے۔

اخلاقی نظریات

اسلام کے اخلاقی نظریات کی بنیاد خدا کی وحدت پر ہے۔ اس کے مطابق صرف اللہ ہی پرستش کے لائق ہے۔ انسان کو بتوں کی، خواہ وہ مٹی اور پتھر کے ہوں یا انسانی شکل و صورت و خواہشات کا روپ دھارے ہوئے ہوں عبادت نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو زمین پر اپنا نائب بنا کر جہاں بلند رتبہ عطا کیا وہاں بہت سی ذمے داریاں بھی عائد کیں۔ اس لئے انسان کا انسانی اقدار اپنانا اور انھیں رائج کرنا اس کے نائب مقرر کئے جانے کا لازمی و منطقی نتیجہ ہے۔

اسلام نے صرف انسان کی نفسیاتی اور نظریاتی رہنمائی تک ہی اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا بلکہ اسے پائیدار اور مستقل بنانے اور رائج کرنے کے لئے عملی اقدامات بھی ضروری قرار دئے ہیں۔ روزانہ کی عبادت یعنی نماز کو صرف اسی لئے فرض قرار دیا گیا ہے کہ انسان کو ان اخلاقی اصولوں کو اپنانے کی عملی ترغیب دی جائے اور اس کا شعور اس سے آگاہ رہے کہ کوئی اعلیٰ ہستی ہے جو اس کے ہر عمل پر ہر لحظہ نگاہ رکھتی ہے۔

معاشی نظریات

اسلام کے معاشی نظریات کو جب قانون کی شکل دی گئی تو اس کا نتیجہ مسلمان قوم میں

امداد باہمی کی صورت میں رونما ہؤا اور سرمایہ و محنت پر ان قوانین کا اطلاق اس لئے ضروری تھا کہ مادی ترقی اس کے بغیر ناممکن ہے اور مسلمان مادی ترقی کی قدر و قیمت سے بھی آگاہ تھے۔ اسلام کی نظر میں صرف خدائے جبار و خالق ہی تمام دنیاوی اشیاء کا واحد مالک ہے۔ انسان دنیا میں خدا کا نائب ہے اس لئے اس کی املاک کا مالک نہیں بلکہ صرف امانت دار ہے۔ لہٰذا امانت داری کے فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے لازمی ہے کہ ان تمام اشیاء کا جو اس کی تحویل میں ہیں مناسب اور فائدہ بخش انتظام اس طرح کرے کہ امانت داری کے اصول پر ضرب نہ لگے یعنی امانتداری اور دیانت داری کا خیال رکھے اور چونکہ اللہ تعالیٰ اسے اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ان اشیاء کے نفع کو اپنے کام میں لائے اس لئے اس کا فرض ہے کہ اس پاک ذات خالق و جبار کا شکریہ ادا کرے۔

امانت داری کے عقیدے کی وجہ سے جو فرائض عائد ہوتے ہیں وہ مثبت پہلوؤں کے ساتھ ساتھ منفی پہلو لئے ہوئے ہیں۔ وہ احکام جن کی بجا آوری کا حکم دیا گیا ہے مندرجۂ ذیل ہیں:

۱۔ زکوٰۃ۔ یعنی ہر سال اپنے سرمائے کا کچھ مقررہ حصّہ ضرورت مندوں کے لئے خرچ کرنا۔

۲۔ انفاق یا خیرات۔ اس کا عمل زکوٰۃ سے وسیع پیمانے پر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ سرمایہ کا وہ حصّہ ہے جو خوشی سے خدا کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے اور سماجی و قومی فلاح و بہبود پر لگایا جاتا ہے۔

۳۔ سرمائے کو کارآمد بنانا یعنی قومی دولت میں اضافے کے لئے اور خود نفع حاصل کرنے کے لئے سرمائے کو کام میں لگانا۔ اسلام سرمائے کو دبا کر رکھنے اور حصول دولت میں اس سے کام نہ لینے کے سخت خلاف ہے اور قانون کی رو سے ایسا سرمایہ ضبط کئے جانے کے لائق ہے*

وہ کام جنہیں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اجارہ داری۔ یہ قوم اور معاشرہ کے لیے نقصان رساں ہے اور اسلام اس سے منع کرتا ہے۔

۲۔ استحصالِ زر۔ اسلام سرمایہ دارانہ لوٹ کھسوٹ کے بھی خلاف ہے۔

۳۔ تعیش و کنجوسی۔ عیش پر حد سے زیادہ خرچ کرنا یا کنجوسی سے کام لینا اور سرمایہ جمع کرنا بھی ناجائز ہے۔ اسلام دونوں کی متوازن صورت کو پسند کرتا ہے۔

جہاں تک محنت کا سوال ہے اسلام ایسی محنت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اپنے اور قوم کے لئے حصولِ دولت پر صرف ہوتی ہے۔ وہ کاہلی اور مفت خوری کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے لئے اور قوم کی خاطر کسی نہ کسی مفید کام میں لگا رہے۔ عمل عبادت میں شامل ہے وہ برائی کی طرف مائل نہیں ہو سکے گا کیونکہ وہ ہر وقت عالم الغیب کی نگاہوں میں رہے گا اور اسے اس بات کا شعور ہو گا۔ محنت کو کبھی بھی منڈی کی جنس کی طرح قابلِ خرید و فروخت چیز نہیں سمجھا گیا اور نہ اس کا انحصار مانگ اور رسد پر رکھا گیا ہے۔ یہ تو انسانیت کی

تذلیل ہے اور اسلام انسان کے بلند رتبہ ہونے کا قائل ہے۔ اس لئے قرآن و سنت کی رو سے مزدور کو چند ٹکوں پر مانگ اور رسد کے مطابق خریدا نہیں جا سکتا بلکہ برابر کا حصّہ دیا جاتا ہے۔

اختصار کے باعث اس بات کا ذکر نہیں کیا گیا کہ اگر ان معاشی اصولوں کو اپنایا جائے تو ایک ایسی سوسائٹی کی بنیاد پڑے گی جو موجودہ سوسائٹیوں سے مندرجۂ ذیل معاملات میں مختلف ہوگی۔

۱۔ سرمائے کے حصول دولت کے لئے صرف کرنا اور صرف دولت کے معیار و ضرورت کو مدِ نظر رکھنے کا انتظام کرنا۔

۲۔ دولت کی مساویانہ تقسیم۔

۳۔ طبقاتی مراتب کی حد بندی ختم کرنا تاکہ ایک طبقہ اتنا نہ گر جائے۔ کہ مشکل و عسرت میں زندگی کے دن کاٹے اور دوسرا بغیر محنت کے عیش و عشرت میں مگن رہے۔ اقلیت کی پانچوں گھی میں ہوں۔ اور اکثریت محروم نامراد رہے۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر ان معاشی نظریات کو قانونی شکل دے کر رائج کیا جائے تو متضاد مفادات کے باوجود معاشی توازن پیدا کیا جا سکتا ہے اور اسلامی مملکت کے اس کے علاوہ دوسرے مقاصد بھی آسانی سے حاصل کئے جا سکتے ہیں اور اس کے فلاح و بہبود کے منصوبے کامیاب ہو سکتے ہیں۔

سیاسی نظریات

مملکت کے ڈھانچے کے لئے اسلام ایسے بنیادی اصول پیش کرتا ہے جو زمانے کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکتے اور وسعت پیدا کر سکتے ہیں۔ اسلام سیاسی تنظیم کے خلاف نہیں بلکہ ہر قوم میں ایسی تنظیم کو ضروری قرار دیتا ہے قرآن حکیم میں ہے "تم میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہیئے جو سچائی کو رائج کرے اور لوگوں کو برائی سے روکے۔ لفظ "سچائی" یا عربی اصطلاح "المعروف"، اپنے اندر وسیع معانی رکھتی ہے اس میں وہ تمام اسلامی قوانین اپنی جزئیات سمیت شامل ہیں جو سوسائٹی کی بھلائی کے لئے بنائے گئے ہیں اور اسے ترقی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔ لفظ "برائی" یا عربی اصطلاح "المنکر" میں بھی وہ تمام امور آ جاتے ہیں جنھیں اسلام ناجائز قرار دیتا ہے اور اسے سوسائٹی کی اصلاح بھلائی اور ترقی کے لئے مضر سمجھتا ہے۔

منتظمین کی جماعت کے لئے اسلام ایک عالمگیر اصول پیش کرتا ہے اور وہ ہے الشوریٰ یعنی باہمی مشورہ۔ عوام کی رائے ہر معاملے میں لینا ضروری ہے خواہ اس کا تعلق حاکم کے انتخاب سے ہو یا حکومت کی تنظیم و مملکت کی تعمیر سے یا اس کے اغراض و مقاصد سے لیکن حاکم مطلق العنان نہیں ہو سکتا۔ مغربی مفہوم میں وہ عوام کے سفید و سیاہ کا مالک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سب کا حقیقی حاکم صرف خدا ہی ہے۔ قوم کا فرد خواہ اس کا تعلق رعیت سے ہو یا حکومت سے، ایک جیسا رتبہ رکھتا ہے اور دونوں پر ایک جیسی اور برابر ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں۔ جو گروہ یا قوم اپنی رائے سے حکمرانوں کا انتخاب کرتی ہے اس کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ حکام کے احکام کو جائز یا ناجائز قرار دیں۔ وہ اور

حکومت کے تمام محکمے جب تک انھیں اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق خیال کر کے صحیح قرار نہ دیں اس وقت تک ان احکام پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا۔ اس طرح پوری قوم کو احساس ہو جاتا ہے کہ حقیقی حاکم صرف خدا ہی ہے! اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمان حکام کا حکم نہیں مانتا بلکہ اپنی قوم کا یا دوسرے معنوں میں خدا کا حکم بجا لاتا ہے۔

مجلس مشاورت اسلام کا اہم و لازمی قانون ہے۔ اس قانون کی اہمیت و رتبہ اس بات سے واضح ہے کہ پیغمبر اسلام کو جنھیں کہ وحی آتی تھی یہ حکم دیا گیا تھا کہ صحابہ سے دنیاوی امور میں مشورہ کیا کریں۔ اسلام میں حکومت کسی انسان کی خواہ وہ خلیفہ ہو یا صدر و گورنر، تسلیم نہیں کی جاتی بلکہ خدا ہی حاکم اعلیٰ تصوّر کیا جاتا ہے۔ یہ چیز مغربی مفکّرین کے اس نظریے کو جھٹلاتی ہے کہ اسلامی حکومت کٹّر و متعصب حکومت ہے۔

وہ جماعت جس کے ذمے المعروف کا حکم دینا اور المنکر سے روکنا ہے اس کی کیسے تنظیم کی جائے وہ اپنے احکام کس طرح منوائیں اور اگر ایسی جماعت کو منظم کر لیا جائے اور وہ اپنے احکام بھی جاری کرنے لگے تو کیا قوم کے تین گروہ نہیں بن جائیں گے۔ یعنی ایک تو احکام دینے والا۔ دوسرا حکم ماننے والا اور تیسرا جھگڑے کی صورت میں ان احکام کو جائز یا ناجائز قرار دینے والا۔ اور پھر یہ کہ ان گروہوں کی کیسے تنظیم کی جائے اور اس کی جزئیات سے کیسے عہدہ برآ ہُوا جائے؟ —— ایسے سوالوں کا جواب اسلام نے انسانی فہم و ذکاء پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ زمانہ و مقام کی مناسبت سے جیسے درست سمجھے کرے۔ جس طرح حالات اجازت دیں اور جیسا مقامی قوم کا مزاج تقاضہ کرے اسی کے مطابق ان چیزوں کی تنظیم کرے لیکن ساتھ ہی ساتھ اُسے قرآن و سنت کو نہ بھولنا چاہیئے۔ اس کی عقل و فہم قرآن و سنت کی روشنی میں جو مناسب اور صحیح راستہ سمجھتی ہے اس کو اختیار کرے۔

اسلام نے انسانی ذہن کی نشو و نما اور ترقی کے لئے بہت کچھ کیا ہے حتیٰ کہ عقائد تک کو اسی نظر سے پیش کیا ہے۔ خدا کے وجود اور اُس کی وحدانیت۔ روزِ قیامت اور روزِ جزا جبکہ انسان اپنے اعمال کا حساب دیگا، ان تمام کو عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اور معجزات یا فوق الفطرت واقعات کو بیان کر کے عقائد کو پیش نہیں کرتا بلکہ اس کا طریقۂ ترغیب عقلی دلائل ہیں۔

عقل و فہم میں وسعت و گہرائی پیدا کرنے کی خاطر اسلام علم کا حاصل کرنا (خواہ وہ کہیں بھی ملے) ضروری بلکہ فرض قرار دیتا ہے تاکہ فرض کی ادائیگی سے اُسے یہ احساس ہو کہ وہ خدا کے قریب آگیا ہے اور اس کی نظر میں عزیز ہے۔ چند کتابوں تک علم کو محدود سمجھنے کے بجائے دنیا کی ہر شے سے علم (خواہ وہ عبرت کی صورت میں ہو) حاصل کرنا چاہیئے۔ اسلام دُنیا کے بحر بے کنار کی گہرائیوں سے دولتِ علم حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے اور جب انسان دیکھتا ہے کہ اس مالک الاملاک نے دنیا کی تمام اشیاء اس کے لئے بنائی ہیں تو اس کی اعلیٰ ہستی پر اس کا اعتقاد اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک اپنے ارشادات میں ہمیشہ جہالت پر لعنت بھیجتا رہا ہے اور مسلمانوں کو علم حاصل کرنے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتا رہا ہے۔

مملکت کی تعمیر و ترقی کیلئے معیارِ تنقید

اسلام نے عقل و فہم سے کام لینے کی جو تلقین کی ہے اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ فقہاء نے قرآن و سنت کی روشنی میں معیارِ تنقید کی ایسی کسوٹی وضع کی جو مذہبی رسوم کے علاوہ اسلام کے مختصر لیکن بنیادی اصولوں کو ماحول کے مطابق ڈھال سکنے کے بارے میں صحیح رہنمائی کر سکتی تھی۔ اس طرح سوسائٹی کے تمام معاشی، اخلاقی اور سیاسی متعلقہ قوانین وقت و مقام کا ساتھ دینے کے قابل ہو گئے۔ اس معیار تنقید نے الٰہی قوانین کو جامد بنانے کے بجائے حرکی قوت عطا کی۔ چونکہ انسان تیزی سے ارتقا و ترقی کی منازل طے کر رہا ہے اور دنیا بھی ہر لحظہ متغیر ہے اس لئے اسلام نے بھی اس دوڑ و تبدیلی کا ساتھ دینے کی خاطر اپنے قوانین کو نئے رنگ میں رنگنے کی اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دی کہ وہ اپنے بنیادی مقاصد سے دور نہ چلے جائیں۔

اس کسوٹی یا معیارِ تنقید کو ہم "مطابقت" یا "قیاس" "استصلاح" یا "کارآمد و عمدہ استعمال" کا نام دیتے ہیں۔ سوسائٹی کی فلاح و بہبود کے لئے ادارے سے ضرر رساں عناصر سے پاک کرنے کے لئے ہم اسی مفہوم کے دوسرے تنقیدی اصول بھی استعمال میں لائیں گے۔

لیکن بدقسمتی سے ان معیارِ تنقید کے اصولوں کو بنیادی نظریات کے لئے مسلسل استعمال نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے اسلامی نظریۂ مملکت ارتقائی منازل طے نہ کر سکا۔ نتیجۃً مسلمان مملکتیں بہت جلد زوال کا شکار ہو گئیں۔ اور مسلم سوسائٹی بے جان و جامد ہو کر رہ گئی اور ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اس کا الزام غلط راہوں پر چلنے والے مسلمانوں کے بجائے اسلام کے سر تھوپ دیا جاتا ہے۔

اسلام کے بنیادی اصولوں کو عملی شکل دینے کی پہلی کوشش

بہرحال پھر بھی اسلام کے چند ہدایت یافتہ خلفائے مملکت کی بنیاد انہی اصولوں پر رکھی اور ان کی پابندی بڑی احتیاط سے کی اور اخلاقیات، معاشیات و سیاسیات کو جدا جدا کام میں لانے کے بجائے ان میں کامل اتحاد قائم رکھا۔ ابتدائی سوسائٹی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ چند ترقی یافتہ عناصر کو بھی شامل کر لیا اور نئی اصلاحات عمل میں لے آئے۔

مملکت کے صدر یا خلیفہ کا انتخاب، باثر ووٹوں سے ہوا کرتا تھا۔ اس طریقۂ انتخاب کو جدید اصطلاح میں الیکشن کہتے ہیں۔ لیکن اس وقت الیکشن کا کوئی باقاعدہ لائحۂ عمل تجویز نہیں کیا گیا تھا کیونکہ کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

خلیفۂ مملکت کے انتظامی امور میں خود مختار نہ تھا بلکہ الشوریٰ کے ذریعے یا جدید اصلاح میں پارلیمنٹ کے ذریعے اس کے اختیارات محدود کر دئے گئے تھے۔ لیکن آج کل کی طرح مجلس کی پیچیدہ اور لمبی کارروائی تک

نوبت نہیں آتی تھی ۔ شورے کی سادی و مختصر صورت اور دوسرے اصولوں کی ہیئت و عمل اس وقت کی تمام ضروریات کا کفیل تھا۔ اس کی ایک یہ بھی وجہ تھی کہ اس دور کے مسلمان خدا کی عبادت کے مفہوم سے پوری طرح آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ قانون کی لاٹھی سب کے لئے ایک ہی ہے، خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو کسی رتبے کا ہو یا کسی رنگ کا ہو، انصاف سب کے لئے ہے۔ آزادی خیال اور آزادی تقریر و تنقید ہر ایک کو مساویانہ طور پر حاصل تھی۔ چونکہ وہ اخلاقی اقدار کے پرستار تھے اور اس کے اصولوں پر سختی سے عمل کرتے تھے اس لئے دنیا کی حرص و ہوس سے دامن بچائے رکھتے تھے اور رشوت ستانی جیسی اخلاقی برائیاں جو ہوس دنیا کا نتیجہ ہوتی ہیں اور سوسائٹی کی جڑیں کھوکھلی کر دیتی ہیں ان کے نزدیک نہ پھٹکتی تھیں۔

متوقع خطرے سے بچاؤ کی صورتیں

ہم نے سماجی زندگی کے متعلق اسلام کے سیاسی معاشی و اخلاقی نظریات کی کچھ وضاحت کر دی ہے۔ اگر وقت ہوتا اور صفحات اجازت دیتے تو ہم پوری وضاحت سے بتاتے کہ اسلامی مملکت کی تعمیر میں یہ انفرادی طور پر کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں ایک دوسرے پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کا اتحاد کن نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ لیکن یہاں یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حقیقی قدر و قیمت کیا ہے اور ان اصولوں پر حاوی عالمگیریت کا معیار کن کن مستقل خطرات کو جنم دیتا ہے۔

اس کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ اس سے ہو جائے گا کہ یہ نہ تو نئے حالات کے مطابق ڈھالنے کا کوئی مخصوص طریقہ کار پیش کرتا ہے اور نہ اسے ایسا مستقل اور اٹل بنا دیتا ہے کہ آنے والی نسلیں اس میں اپنے فہم و علم کے مطابق تبدیلی پیدا نہ سکیں اور نئے حالات و مسائل سے نپٹ سکیں۔ اس طرح عام اور بنیادی اصول پیش کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ انسان حالات کے مطابق جو طریق ہائے کار مناسب سمجھیں اسی کے مطابق ان کو لاگو کریں۔ ان اصولوں کی یہ تبدیل ہونے والی یا حرکی خاصیت یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ ایسے الٰہی قوانین ہیں جو ہر زمانے اور ہر دور میں ہر جگہ قابلِ عمل ہیں۔

اسلامی نظریہ مملکت کے مذہبی تقاضے

ان اصولوں کی عمومیت کی وجہ سے اس لئے خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ ان کے طریقِ عمل کی وضاحت نہیں کی گئی۔ یہ چیز اس وقت تو قابلِ برداشت تھی جبکہ ابھی ابتدائی خلفاء کا دور تھا یا ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا لیکن بعد میں جب مملکت وسیع ہوئی اور کئی متضاد مفادات اسلامی زندگی میں داخل ہو گئے اور اس کی وضاحت کی ضرورت محسوس کی گئی کہ انھیں کس طریق سے حالات کے مطابق ڈھالا جائے۔ مختصر سے اصول جن کے نہ تو طریق ہائے عمل پر روشنی ڈالی گئی ہو اور نہ خاص حالات کے مطابق کوئی تخصیص کی گئی ہو۔ نہ تو ان کے مقاصد کی وضاحت کی گئی ہو اور نہ نتائج بیان کئے گئے ہوں ظاہر ہے کہ ایسے اصول عوام کو متاثر نہیں کر سکتے اس لئے عوام کو گمراہ کرنا اور مملکت کے تصور کی اپنی اسلامی توضیح و

تشریح پیش کرنا آسان ہو جاتا ہے اور اکثر ممالک میں اسلامی اصولوں کا ایسا ہی حشر ہوا ہے۔ اور عوام کی اس معاملے میں کم فہمی اور عدم دلچسپی بدنیت رہنماؤں کے لئے ممد و معاون ثابت ہوئی اور انہوں نے دھوکے یا غلط تاویلات و توضیحات سے یا پھر طاقت سے جمہوری اصولوں کو خود مختاری، مطلق العنانی و شہنشائیت میں تبدیل کر دیا۔

اخلاقی و معاشی اصولوں کا بھی یہی حشر ہوا مختلف طبقوں کو مدغم کرنے یا ختم کرنے کا اصول جو بیک وقت اخلاقی و معاشی حیثیت رکھتا تھا اس کو کبھی عملی جامہ نہ پہنایا گیا۔ عالمگیر اخوت اور حملہ آور کا مل کر مقابلہ کرنے کے اصول جو سیاسی ہونے کے علاوہ اخلاقی بھی تھے ہمیشہ نظر انداز کئے جاتے رہے۔ نہ کوئی خاص انجمن یا مجلس ہی بنائی گئی جو ان بنیادی اصولوں کو صحیح طور پر عمل میں لا سکے اور ان کی وضاحت کر سکے۔ اسلامی تاریخ میں اس قسم کے روح فرسا واقعات کا بیان مل جاتا ہے کہ جس وقت مسلمان عثمانی ترکوں کے تحت مشرقی یورپ کو تاراج کر رہے تھے اور وی آنا کے دروازے پر دستک دے رہے تھے اسی وقت ان کے بھائی بنو اُمیہ کو اندلس میں پناہ مانگنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

ہم اس مضمون کے مذہبی و غیر مادی حصے کو اسلامی نظریۂ مملکت کے بارے میں یہ کہہ کر ختم کرتے ہیں کہ یہ صحیح معنوں میں اس وقت عمل میں آ سکتا ہے جبکہ مندرجۂ ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے:

۱۔ اخلاقی، معاشی و سیاسی باہم متعلقہ اصولوں کا اتحاد قائم رہے۔

۲۔ اور ان بنیادی و مختصر اصولوں کی وضاحت کر دی جائے کہ نئے مسائل کا کس طریق سے ساتھ دے سکتے ہیں اور انھیں حالات و زمانے کے مطابق کیسے ڈھالا جانا چاہئے اور پھر یہ کہ اس عمل میں جس طرح فقہا نے قرآن و سنت کی رہنمائی قبول کی اسی طرح ہمیں ان کی روشنی میں کس طرح آگے بڑھنا چاہئے۔

مذہبی دستور کے جدید اسلامی آئین پر اثرات

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ مردہ قوم نے انگڑائی لی ہے اور مسلمان مندرجہ بالا سچائیوں کو پانے کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں۔ مصر، شام اور پاکستان کی اسلامی مملکتوں کا آئین نئے آئینی رجحان کی غمازی کرتا ہے۔ ان مملکتوں کے قوانین تمام تو نہیں لیکن اکثر اسلام کے ان بنیادی اصولوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ سیاسی، معاشی و اخلاقی قوانین کا حسین امتزاج واضح کر دیتا ہے کہ اسلام کو رہنما بنایا گیا ہے۔

یہ اسلام کے وہ بنیادی و نمایاں اصول ہیں جو ہم نے مغربی اصولوں کے مقابلے میں بیان کئے ہیں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ مغربی مفکرین سیاست مذہب و معاشیات کی وحدت کے بجائے ان کے الگ الگ انفرادی طریق کار کو پسند کرتے ہیں۔ اگرچہ سماجی تباہی و بربادی سے مجبور ہو کر فرانس (۱۹۴۶ء) جرمنی (۱۹۴۷ء) اور اٹلی (۱۹۴۹ء) کے

قوانین نے سماجی، معاشی اصولوں کو ملا دیا ہے لیکن پھر بھی وہ اسلامی قوانین سے مختلف ہیں۔ اسلامی دستور میں احکام کی پابندی کا انحصار حکومت کی طاقت کے بجائے انسانی شعور و ضمیر پر ہے مسلمان کا ضمیر الٰہی قوانین کا پابند ہے بلکہ یوں سمجھئے، ضامن ہے۔ اراکین حکومت عوام کی اتنی وسیع روزانہ کی زندگی کو کیسے قابو میں رکھ سکتے ہیں (اس کے لئے مذہب کام کرتا ہے)

مملکت کا مادی نظریہ

اب ہم مملکت کی تعمیر کے لئے ان نمایاں مادی عناصر کا تجزیہ کریں گے جن کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے مثلاً علاقہ جو جغرافیائی حدود رکھتا ہو۔ ایک قوم جو ان حدود میں رہتی ہو اور ایک حکومت جو اس علاقے میں صاحب اختیار ہو۔

اور اس کا بھی بیان آچکا ہے کہ اسلام ان تینوں مادی عناصر کو ان کے اتحاد ثلاثہ کی صورت ہی میں قبول کر سکتا ہے۔ چونکہ اسلام کو مملکت کے ڈھانچے پر اسلامی رنگ چڑھانا تھا اس لئے اس نے اخلاقی سیاسی و معاشی اتحاد ثلاثہ پر بھی زور دیا اور قومیت کے بارے میں اس کا عام نظریہ دوسروں کے نظریات سے زیادہ وسیع اور ان سے زیادہ انسانی اقدار کو لئے ہوئے ہے۔

اسلامی نکتۂ نگاہ میں قومیت کے عناصر

اسلام کے عالمگیر اخوت و مساوات کے اخلاقی اصول اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ مختلف مملکتوں کو قومیت کی بنیاد پر استوار کیا جائے۔ اور صرف اختلافِ قومیت کی وجہ سے دوسرے ملک کو تاخت و تاراج کیا جائے یا نسلی امتیازات کی آڑ میں دوسری نسلوں کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا جائے یا ایک ملک یا قوم ذاتی مفادات کے پیش نظر دوسری قوم یا ملک کو ہڑپ کر جائے۔

ان اصولوں نے انسان پر واضح کر دیا کہ خدا نے اسے تخلیق کیا اور زمین پر اپنا نائب مقرر کیا تو اس نے کسی ایسے امتیاز کو روا نہ رکھا چونکہ سب خدا کی مخلوق ہیں اس لئے سب ایک ہی رتبے کے مالک ہیں اس کی نگاہ میں کوئی برتر یا کمتر نہیں ہے۔

قرآن پاک میں آیا ہے کہ "ہم نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا"۔ انسان سے یہاں مراد کوئی مخصوص علاقے کا انسان نہیں بلکہ بغیر تفریق قوم و علاقہ بیان کیا گیا ہے۔ اس اصول کا منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ تمام دنیا کے انسان بھائی بھائی ہیں اور ان پر زمین پر خدا کے نائب ہونے کے فرائض اور ذمے داریاں عاید کی گئی ہیں۔

قرآن میں اس مساوات کے متعلق کئی آیات مل جاتی ہیں۔ اور رسول اللہ کا بھی فرمان ہے کہ "دوسرے انسانوں سے نرمی برتو اور رحم سے پیش آؤ تا کہ خدا کی رحمت تم پر ہو" اس میں تمام انسانوں سے ایسے سلوک کی ہدایت کی گئی ہے مسلمانوں کی تخصیص نہیں کی گئی۔ پس اسلام کا مقصد اس دنیا میں آنے کا یہی ہے کہ عالمگیر اخوت کو رائج کرے اور مختلف قوموں میں یک جہتی اور وحدت پیدا کرے۔ مسلم قومیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ محدود حدود میں گھری

ہوئی ہے اس میں اتنی تنگ نظری نہیں بلکہ فراخ دلی سے ہر غیر ملک و قوم کے ساتھ برابر کا سلوک کرتی ہے۔ وہ تعصب برتنے کے بجائے خدا کی زمین کے آخری کونے میں رہنے والے انسان سے بھی محبت کرتی اور خوش آمدید کہتی ہے۔

مختصراً اسلام عالمگیر قومیت کا مطلب کئی قومیتوں کا اتحاد لیتا ہے۔ جزئیات مل کر ایک عالمگیر وحدت کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور وہ کثرت میں وحدت کا جلوہ دیکھتا ہے۔ اور مقامی قومیت اس لئے ہے تاکہ وہ آئینی حیثیت سے پابند ہو کر ایک گھر بنا کر رہیں اور اس کی مقامی و جغرافیائی ضروریات کے مطابق باہمی معاملات و مسائل کا تصفیہ کریں۔ اسلام مقامی قومیت کو صرف اسی نقطہ نظر سے مملکت کی تعمیر میں ایک لازمی عنصر خیال کرتا ہے۔

اسلامی نظریۂ قومیت کے نتائج

۱۔ غیر مسلم اقلیتوں کو مسلمان اکثریت کے ساتھ ساتھ ایک ہی ملک کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے مقامی قومیت کے حقوق مل جاتے ہیں۔ جب تک وہ اس ملک کے آئین کو تسلیم کرتی رہتی ہیں اور ان پر عمل پیرا رہتی ہیں، انھیں برابر کے حقوق ملتے رہتے ہیں۔ ایک ہی آدم کی اولاد، ایک ہی علاقے کے رہنے والے کی حیثیت سے انہیں مسلمانوں جیسے شہری حقوق دئے جاتے ہیں۔ اس بارے میں اسلام خواہ کوئی کسی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتا ہو اس کے حقوق تلف نہیں کرتا۔ اسلام تغیرات زمانہ اور اس کے ارتقاء سے نہیں گھبراتا بلکہ اُسے خوش آمدید کہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ہر نئے حالات و مسائل سے ہم آہنگ و عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ اسلام تبدیلیٔ مذہب کے لئے جبر و تشدد کو ناجائز قرار دیتا ہے اور منطقی دلائل کے بجائے صرف معجزات سے عوام کو اپنی طرف کھینچنے کے بھی خلاف ہے۔

اسلام روایت پرستی و قومی تعصب کی جڑوں کو کاٹنے کے درپے رہتا ہے کیونکہ یہ مختلف اقوام میں تباہ کن مقابلے کو جنم دیتا ہے جس سے کہ ارتقاء کی رفتار سست پڑ جاتی ہے یہ عمل اس زمین کی مخلوق کے لئے کسی طرح بھی سود مند نہیں ہو سکتا۔ اس چیز کے قلع قمع کے لئے اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ خدا نے جب انھیں ملک عطا کیا ہے تو شکرانے کے طور پر اس کی عبادت کریں خیرات دیں المعروف کو رائج کریں اور المنکر سے لوگوں کو روکیں“ ایسے حکم کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمان دوسری مملکتوں کو حرص بھری نگاہوں سے دیکھنے اور تعصب برتنے کے بجائے اُنھیں اپنا ہمسایہ سمجھتا ہے اور اس طرح سلطنت کے لالچ اور مذہبی تعصب کی بدولت جو جنگیں وجود میں آتی ہیں ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اس کے برخلاف مغربی اقوام نے نسل و رنگ کے امتیاز کو اپنایا اور اس برتری کی آڑ میں دنیاوی حرص و ہوس کی تسکین کی اور کئی ملکوں کو غلام بنا کر لوٹا۔ پچھلی جنگوں کی بنیاد صرف یہی دنیاوی لالچ تھا جس نے کہ

نو آبادیاتی اور شہنشاہی نظام کو جنم دیا۔ اس قسم کی قومیت کو پروفیسر ارنلڈ ٹوئنبی (ARNOLD TOYNBEE) مشہور تاریخ دان نے بہت بُرا خیال کیا۔ آپ نے ایک تقریر میں کہا کہ "ہم صرف اسی وقت بچ سکتے ہیں اور سلامتی کی امید رکھ سکتے ہیں جبکہ دنیا میں ایک عالمگیر قومیّت کا شعور پیدا ہو جائے اگر ایسا نہ ہُوا تو یہ قومیت اس دنیا کو تباہی و بربادی کے عمیق ترین گڑھوں میں پھینک دم لے گی۔"

۳۔ چونکہ اسلام عالمگیر اخوت اور پُر امن تعلقات کا علمبردار ہے اس لئے اس کی اشد ضرورت ہے کہ کم از کم اسلامی ممالک جو ایک ہی عقیدہ اور تقریباً ایک ہی جیسا طرزِ زندگی رکھتے ہیں ایک دوسرے سے تعاون کریں اور ان اصولوں کو اپنانے کا عملی ثبوت پیش کریں۔ اگر اسلامی ممالک ان اصولوں کو اپنا لیں تو ان کی مصنوعی حد بندیاں ختم ہو جائیں گی اور ان کی خارجہ پالیسی ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جائے گی۔ ان کا باہمی تعاون صرف کانفرنسوں اور نشست و برخاست تک محدود ہو کر نہ رہ جائے بلکہ باقاعدہ تنظیم و لائحہ عمل بنا کر اس کی سختی سے پابندی کی جائے اور اسلام اور اسلامی مملکتوں کی بنیادیں مضبوط کی جائیں۔ جب تک ایسی تنظیم پہلے سے نہ کر لی جائے جو ہر دور اور ہر قومیت کے لئے موزوں ہو اس وقت تک اس کو عملی صورت دینے سے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔

ماہنامہ
مُسلمہ
پاکستانی خواتین کا مقبول ترین مجلہ
۱۵- لیک روڈ ۔ لاہور

جو گزشتہ تیس ۳۰ برس سے پُوری باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ نہ صرف ایک دلآویز علمی اور ادبی مرقّع ہے بلکہ آپکی بچّیوں اور گھر کی خواتین کیلئے زندگی کا بہترین ساتھی اور مددگار بھی ہے۔ اسمیں شائع ہونیوالے مضامین ہر لحاظ سے معیاری اور مخربِ اخلاق عنصر سے پاک ہوتے ہیں۔

جنوری ۱۹۵۹ء میں ادارہ مُسلمہ نہایت آب و تاب کے ساتھ "خاتون نمبر" شائع کر رہا ہے جو صوری اور معنوی خوبیوں کے لحاظ سے ایک مستقل یادگار ہوگا۔ اس خاص نمبر میں مُلک کے تمام چوٹی کے ادیب اور مشہور شعرائے کرام شرکت کر رہے ہیں۔
یہ نمبر مستقل خریداروں کی خدمت میں مُفت پیش کیا جائے گا۔

نئے لکھنے والے ادیب اور ادبی ذوق رکھنے والی خواتین کیلئے "حلقۂ ادب و تحریر" کی طرف سے تمام مضامینِ نظم و نثر کیلئے انعامات بھی تقسیم کئے جاتے ہیں۔ تفصیلات کیلئے لکھیئے۔ جواب کے لئے ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

منیجر ٭ ماہنامہ "مُسلمہ" ٭ ۱۵ لیک روڈ ٭ لاہور